46

ہمارے لئے اب عمل کا زمانہ ہے اور عمل ہمیشہ جذبات سے ہوا کرتا ہے نہ کہ عقل سے

(فرمودہ 19 دسمبر 1947ء بمقام لاہور)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''ہر شخص اور ہر قوم کا کوئی مطمحِ نظر ہوتا ہے۔ اگر وہ مطمحِ نظر صرف عقلی نہیں ہوتا بلکہ جذباتی ہوتا ہے تو اُس کی ساری قوتیں اُس مطمحِ نظر کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔ اور اگر عقلی ہوتا ہے تو جتنا جتنا اُس کے یقین اور اُس کے ارادہ پر اُس عقلی مطمحِ نظر کا اثر پڑتا ہے اُتنی اُتنی توجہ اُس کی طرف پھرتی چلی جاتی ہے۔ دُنیا میں ساری چیزیں جو انسان کے دماغ میں آتی ہیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ یا فکری ہوتی ہیں یا جذباتی ہوتی ہیں۔ یعنی یا تو فکر اور عقل کے ذریعہ سے اُس نے کسی بات کو تسلیم کیا ہوتا ہے اور جتنا جتنا فکر اور عقل کا اثر یا اُس کی تائید اُسے حاصل ہوتی ہے اُتنا اُتنا ہی اُسے اُس چیز کے متعلق شغف ہوتا ہے۔ مثلاً ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اپنی زندگی کے اچھی طرح گزارنے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ اِس خیال کے ماتحت وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ اپنے وقت کو اُس قسم کی تعلیم کے حصول کے لئے جس کو وہ اپنی زندگی کے لئے مفید سمجھتا ہے خرچ کرتا ہے۔ مگر یہ خیال کہ تعلیم میری زندگی کو بہتر بنا دے گی مختلف درجے رکھتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ تو سمجھتا ہے کہ تعلیم اُس کی زندگی کو بہتر بنا دے گی۔ مگر اِس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ ایسی ضروری چیز نہیں جیسے کوئی شخص مثلاً تقدیر کا غلط رنگ میں عقیدہ رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ

بیشک تعلیم ضروری ہے لیکن اگر تعلیم میری قسمت میں ہوئی تو مجھے مل جائے گی۔ اب جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا باوجود اِس کے کہ وہ تعلیم حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہوگا پوری جدوجہد حصولِ تعلیم کے لئے نہیں کرے گا۔ کیونکہ اُس کی عقل اور فکر نے جتنی تعلیم کی ضرورت بتائی تھی اُسے اُس کے دوسرے عقیدہ نے کمزور کر دیا۔ یا مثلاً ایک اَور شخص یہ سمجھتا ہے کہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے تعلیم ضروری ہے مگر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میرے باپ کی جائیداد کافی ہے۔ اگر مَیں نہ پڑھوں تب بھی مَیں بھوکا نہیں مروں گا۔ ایسے شخص کی جدوجہد بھی یقیناً کمزور ہوگی۔ کیونکہ وہ سمجھے گا کہ جو فائدہ تعلیم سے حاصل ہونا ہے وہ بغیر اس کے بھی مجھے حاصل ہوسکتا ہے۔ یا ایک شخص مثلاً ویسے ہی خیالات رکھتا ہے جیسے گزشتہ زمانہ میں کالجوں کے لڑکوں کے خیالات ہوا کرتے تھے۔ اُن کا طریق تھا کہ وہ ملک میں شورش پیدا کرنے کے لئے سٹرائیکیں کیا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سٹرائکوں سے اُن کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی۔ مگر اِس کے ساتھ ہی اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ چونکہ کالج انگریزی تعلیم دلواتے ہیں اور ہماری جدوجہد سے یہ تعلیم ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس تعلیم کا نہ ملنا ہمارے مستقبل پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا۔ یا جس آنے والی گورنمنٹ کے لئے ہم قربانیاں کر رہے ہیں جب وہ برسرِ اقتدار آئے گی تو ہماری قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گی اور بغیر ڈگریوں کے ہی ہمارے ساتھ وہ سلوک کرے گی جو ڈگری والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے پچھلے دنوں ہمارے ملک میں طلباء نے مظاہرے کئے اور کہا کہ ہمیں مفت ڈگریاں دی جائیں کیونکہ ہم قومی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اب جہاں تک علم کا سوال ہے یہ ایک بیوقوفی کا مطالبہ تھا کیونکہ اگر ڈگری کے معنی محض بی۔ اے یا ایم۔ اے کے دو لفظ ہیں۔ تو یہ ڈگری ایک جاہل کو بھی دی جاسکتی ہے۔ ایسے شخص کو بھی جاسکتی ہے جو ایک لفظ بھی پڑھا ہوا نہ ہو۔ اور اگر ڈگری کے معنی یہ ہیں کہ خاص علم حاصل کرنے کے بعد کسی کو ڈگری دی جائے تو چاہے کسی کو قومی خدمت کی وجہ سے وہ معیارِ علم حاصل نہ ہوا ہو چاہے سُستی یا غفلت کی وجہ سے حاصل نہ ہوا ہو۔ بات ایک ہی ہوگی۔ کیا کوئی شخص اس امر کو جائز سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص قوم کے لئے زخمی ہو جائے اُسے ہسپتال والے کہہ دیں کہ تمہیں علاج کی ضرورت نہیں تم آپ ہی اچھے ہو جاؤ گے؟ یا یہ کہیں کہ تم تندرست ہی ہو زخمی کس طرح ہو سکتے ہو؟ تم تو قوم کی خاطر لڑے تھے؟ یا اگر کوئی شخص دین کے

رستہ میں زخمی ہوا ہو تو اُسے کہا جائے کہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تم زخمی ہو؟ تم تو خدا کے لئے لڑے تھے۔ کیا ہماری ان باتوں سے وہ اچھا ہو جائے گا؟ اِسی طرح اگر کسی نے اتنا علم حاصل نہیں کیا جو بی۔اے کے دوحروف کے لئے ضروری ہے یا ایم۔اے کے دوحروف کے لئے ضروری ہے تو محض اِس لئے کہ وہ ریفیوجیز (Refugees) کی خدمت کرتا رہا ہے یا کوئی اَور قومی کام کرتا رہا ہے اُسے وہ معیارِ علم کس طرح حاصل ہوسکتا ہے جو بی۔اے یا ایم۔اے کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر یہ دوحروف بغیر ایک مقررہ معیارِ علم کے حاصل ہو سکتے ہیں تو پھر اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ بجائے اِس کے کہ کسی کو وکٹوریہ کراس یا آئرن کراس دیا جائے۔ جب کوئی سپاہی اچھا لڑے تو اُس کو بی۔اے کی ڈگری دے جائے۔ یا کوئی شخص ملک کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالے تو اُسے ایم۔اے کی ڈگری دے دی جائے۔ اور جب یونیورسٹی سے پوچھا جائے کہ اسے بی۔اے یا ایم۔اے کا خطاب تم نے کیوں دیا ہے؟ تو وہ جواب دے کہ اس نے اپنی جان ملک کے لئے خطرہ میں ڈالی تھی۔ اگر یہ شخص اس خطاب کا مستحق نہیں تو اور کون ہے۔ کیا یہ جواب درست ہوگا اور کیا کوئی بھی صحیح الدماغ انسان اسے جائز قرار دے گا؟ اگر نہیں تو علوم کی ڈگریاں بھی معیارِ علم کے مطابق حاصل ہوتی ہیں۔ اور اگر اِس کے بغیر ہم اُن ڈگریوں کو حاصل کرتے ہیں تو ہم دُنیا کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ گزشتہ دنوں ہمارے ملک میں یہی چرچا رہا اور طلباء مُفت ڈگریوں کے لئے مظاہرات کرتے رہے اور انہوں نے سمجھا کہ ملک بغیر مقررہ میعارِ علم حاصل کرنے کے انہیں بی۔اے یا ایم۔اے کا خطاب دے دے گا۔ جیسے یونیورسٹیاں بعض لوگوں کو آنریری ڈگریاں دے دیا کرتی ہیں۔ مثلاً ڈی ڈی[1]، ایل ایل ڈی[2]، کی ڈگری دے دیتی ہیں۔ حالانکہ بعض دفعہ جسے اس قسم کی ڈگری دی جاتی ہے وہ ایک حرف بھی ان علوم کا پڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ مگر یہ اعزازی ڈگری صرف اس لئے دے دی جاتی ہے کہ اُس نے کوئی سیاسی کام کیا ہوا ہوتا ہے یا ملک کی خدمات سرانجام دیتے ہوئے اُس نے قربانیاں کی ہوئی ہوتی ہیں۔ انگلستان کے قریباً تمام وزراء کو اسی طرح اعزازی ڈگریاں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ ابھی لارڈ بالڈون فوت ہوئے ہیں۔ انہیں بھی بڑی ڈگریاں ملی ہوئی تھیں۔ مگر ان کی خدمت کیا تھی؟ خدمت یہ تھی کہ

گزشتہ جنگ کے موقع پر اُنہوں نے اپنی ساری جائیداد ملک کو دے دی تھی۔ اِس کے بعد ایسا چانس ہوا کہ وہ وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر جا پہنچے۔ پھر کہیں گلاسگو یونیورسٹی (Glasgow University) نے اُن کو ڈگریاں دے دیں۔ کہیں کیمبرج یونیورسٹی نے ان کو ڈگریاں دے دیں۔ کہیں آکسفورڈ یونیورسٹی نے ان کو ڈگریاں دے دیں۔ مگر اِس کے یہ معنی نہیں کہ اِن ڈگریوں کے پاس شُدہ مقام پر اُس شخص کو کھڑا کر دیا جائے جسے بعض اعزازی ڈگریاں ملی ہوئی ہیں۔

غرض بیسیوں وجوہات ہوتی ہیں جو عقلی مطمحِ نظر کو کمزور کرنے کے لئے پیدا ہو جاتی ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ فلاں بات اِس طرح ہے۔ مگر دوسری باتیں عقل کے فیصلہ اور اُس کے مقام کو کمزور کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اِس کے مقابلہ میں جذبات جو کچھ فیصلہ کرتے ہیں سوائے اِس کے کہ جہالت سے کسی وقت اصل مقصود ہی انسانی نظر سے اوجھل ہو جائے کوئی چیز اس میں روک نہیں بن سکتی۔ جذبات کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ماں کو اپنے بچہ سے محبت ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچہ کی جتنی خدمت کرتی ہے محض محبت اور پیار سے کرتی ہے۔ عقل سے نہیں کرتی۔ بعض دفعہ ایک عورت کی بڑی عمر ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی اولاد کی خواہش اُس کے دل میں موجزن رہتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اُس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اُس کی خدمت کرے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ ٹوانہ خاندان میں سے (جن میں سے سر خضر حیات خاں ہیں) ایک رئیس تھے جن کی بڑی عمر ہوگئی مگر اُن کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ ستّر سال کے قریب خاوند کی عمر ہوگئی اور ساٹھ سال کے قریب بیوی کی عمر ہوگئی۔ آخر انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم حج کے لئے جاتے ہیں، وہاں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بچہ دے دے گا۔ اِسی احساس کے ماتحت وہ حج کے لئے چل پڑے۔ کوئی اُن سے پوچھتا کہ آپ کہاں چلے ہیں؟ تو وہ یہی جواب دیتے کہ بچہ لینے چلے ہیں۔ چونکہ اعتقاد پختہ تھا اور انہوں نے دعائیں بھی اور گریہ وزاری بھی ضرور کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل نازل ہوا کہ اُن کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ حالانکہ اُس وقت بیوی کی عمر ساٹھ سال تھی۔ غرض واپس آئے تو بچہ لے کر آئے اور ہر ایک سے یہی کہتے کہ لو حج کے ذریعہ ہمیں بچہ مل گیا۔ اب دیکھو یہ ایک فطرت تھی۔ اگر اُس عورت سے کوئی کہتا کہ تُو ساٹھ سال کی ہو چکی ہے اور تیرا خاوند ستّر سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے ایسی حالت میں تیرے ہاں بچہ کس طرح پیدا ہو سکتا

ہے۔تو وہ اُس سے لڑنے لگ جاتی۔ پھر اگر اس عمر میں کوئی بچہ پیدا بھی ہو تو یہ یقینی بات ہے کہ ماں باپ اُس کے جوانی تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جائیں گے۔ اگر 21 سال جوانی کی عمر فرض کر لی جائے تو 60 سال کی عورت اُس وقت 81 سال کی ہوگی۔ اور 70 سالہ باپ اُس وقت 91 سال کا ہوگا۔ مگر کتنے مرد ہیں جو اس عمر کو پہنچتے ہیں؟ یا کتنی عورتیں ہیں جو اس عمر کو پہنچتی ہیں؟ لاکھوں لاکھ میں سے کوئی ایک ہی اِس عمر کو پاتا ہے۔ لیکن باوجود اِس حقیقت کے اگر کوئی اُن سے کہتا کہ تم کیوں اپنا وقت فضول ضائع کرتے ہو؟ تمہیں بچے سے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ تم تو اُس کے جوانی تک پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤ گے تو وہ اُس کے پیچھے پڑ جاتے اور کہتے تم تو ہمارے دشمن ہو جو ایسی بات کہہ رہے ہو۔ غرض بچہ کی پیدائش کی خواہش عقل کے ماتحت نہیں ہوتی۔ ایک انسان مکان بناتا ہے تو اس لئے بناتا ہے کہ مَیں اس مکان میں رہوں گا اور سردی گرمی سے محفوظ رہوں گا۔ ایک انسان فصل بوتا ہے تو اس لئے بوتا ہے کہ مَیں فصل کو کاٹوں گا، اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھروں گا۔ لیکن ماں باپ بچے کی خواہش کسی خاص نیت کے ماتحت نہیں کرتے۔ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں بچہ مل جائے۔ یہ اُن کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی نہیں ہوتا کہ بچہ بڑا ہوگا تو ہمیں کما کر کھلائے گا یا ہمارا نام روشن کرنے کا موجب ہوگا۔ کبھی گفتگو میں کوئی ذکر آ جائے تو اَور بات ہے۔ ورنہ ماں باپ بچے کی خواہش محض بچے کے لئے کرتے ہیں اور کسی چیز کے لئے نہیں کرتے۔ اِسی لئے بچہ کی پرورش میں کوئی چیز روک نہیں بنتی۔ کوئی ماں اس لئے اپنے بچہ کی پرورش میں حصہ لینے سے انکار نہیں کر دیتی کہ مَیں بڑھیا ہوں مَیں اس کی کمائی سے حصہ نہیں لے سکوں گی۔ یا کوئی ماں اس لئے اپنے بچہ کی پرورش میں کمی نہیں کرے گی کہ یہ کُند ذہن ہے بڑا ہو کر پڑھے گا نہیں اور اس لئے روپیہ کما نہیں سکے گا۔ اسی طرح کوئی ماں اس لئے بھی اپنے بچہ کی پرورش کو نہیں چھوڑ دیتی کہ ممکن ہے پانچ چھ سال کے بعد یہ مر جائے اور میری ساری محنت اکارت چلی جائے۔ ایسے خیالات کسی ماں کے دل میں آئیں بھی تو وہ ان کو غدّاری سمجھے گی اور دیوانہ وار بچہ کی پرورش میں لگ جائے گی۔ تو اِس قسم کی جذباتی چیزیں ہی ہیں جو انسان کی کامیابی کا موجب ہوتی ہیں۔ عقل وفکر محض اس لئے دی گئی ہے کہ ہم بُرے اور بھلے میں تمیز کریں۔ مگر جب بُرے اور بھلے میں ہم تمیز کر لیں تو عقل کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جو

چیز ہمارے سامنے ہونی چاہیئے اور جس سے ہمیں کام لینا چاہیئے وہ جذبات ہیں۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ جذبات اور عقل دونوں ایک وقت میں کام کر سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔ عقل وفکر صرف ایک وقت کام کرتے ہیں پھر اُن کا دَور ختم ہو جاتا ہے اور جذبات کا دَور شروع ہوتا ہے۔ جیسے انسانی عمر کے مختلف دور ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک دَور بچپن کا ہے۔ پھر اِس بچپن کے دَور کے کئی حصے ہیں۔ ایک پنگھوڑے کا زمانہ ہے۔ ایک دودھ پینے کا زمانہ ہے۔ ایک کھیلنے کُودنے کا زمانہ ہے۔ بچپن کے بعد جوانی اور نشوونما کا زمانہ ہے۔ پھر شادی بیاہ کا زمانہ ہے۔ پھر بچوں کا زمانہ ہے۔ پھر اعلیٰ درجہ کے کام کرنے کا زمانہ ہے۔ پھر کمزوری اور ضعف کا زمانہ ہے جس میں دماغ کا کام تو بڑھ جاتا ہے مگر جسم کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر قویٰ کے اضمحلال کا زمانہ ہے۔ جس طرح یہ دَور مختلف ہیں اِسی طرح کاموں کے بھی مختلف حصے ہیں۔ عقل انسان کو صرف ایک حد تک لے جاتی ہے اِس کے بعد جذبات کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جو شخص ساری عمر عقل کو اپنے ساتھ لئے چلا جاتا ہے وہ کہیں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اِسی طرح جو شخص ساری عمر جذبات سے کام کئے چلا جاتا ہے وہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جو شخص اُس وقت جذبات سے کام لے گا جب عقل سے کام لینا چاہیئے تو وہ غلط فیصلہ کرے گا۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ واقع میں یہ کام مفید ہے یا نہیں۔ وہ صرف اپنے میلان کو دیکھے گا اور میلان غلط بھی ہوسکتا ہے۔ اِسی طرح جو شخص اُس وقت عقل سے کام لے گا جب جذبات سے کام لینے کا وقت ہوگا وہ بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ بے اطمینانی کی حالت میں رہے گا اور کبھی نڈر اور بے خوف ہو کر اپنے لئے کوئی راستہ تجویز نہیں کر سکے گا۔

جب ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے تو ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم عقل سے کام لیں اور غور کریں کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یا نہیں۔ مگر جب ہم نے اُسے مان لیا تو پھر عقل کا کام ختم ہو گیا۔ پھر جذبات کا زمانہ شروع ہونا چاہیئے اور ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ ہم عقل کی بجائے جذبات سے کام لیں۔ اور اس قدر کام لیں کہ ایک لحہ کے لئے بھی ہم اِس سے اِدھر اُدھر نہ ہوں۔ جس طرح ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے اِس طرح ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اُس مدعی کے ساتھ عقلی نہیں بلکہ جذباتی تعلق رکھیں۔ عقل تبھی تک تھی

جب تک ہم نے اُسے نہیں مانا تھا۔ جب ہم نے مان لیا تو عقل کا کام ختم ہو گیا۔ اس کے بعد جذبات کا دَور شروع ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ بدر کے لئے تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گو آپ کو معلوم تھا کہ جنگ ہوگی مگر ساتھ ہی آپ کو یہ ہدایت تھی کہ ابھی یہ صورتِ حالات صحابہؓ کو نہ بتائی جائے۔ صحابہؓ کا خیال تھا کہ وہ قافلہ جو شام سے تجارت کر کے واپس آ رہا ہے ہمارا اُس سے مقابلہ ہوگا۔ اِس لئے صحابہؓ میں سے بہت تھوڑے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے اور اکثر مدینہ میں ہی رہ گئے۔ کیونکہ وہ جنگ کی امید نہیں رکھتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ کے قریب پہنچے تو آپ نے صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور فرمایا مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ کفّار سے ہماری جنگ ہوگی۔ اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا صلاح ہے؟ آیا تم اِس خیال سے کہ ہم تیاری کر کے نہیں آئے واپس لَوٹنا چاہتے ہو یا اس خیال سے کہ خدا نے موقع دے دیا ہے کہ ہم دشمن سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر لیں لڑنا چاہتے ہو؟ مہاجرین صحابہؓ یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشاء ہے کہ جنگ ہو تو ہم ڈرتے نہیں۔ اگر تھوڑے ہیں تو کیا ہوا؟ پہلے ایک نے مشورہ دیا پھر دوسرے نے مشورہ دیا پھر تیسرے نے مشورہ دیا پھر چوتھے نے مشورہ دیا پھر پانچویں نے مشورہ دیا پھر چھٹے نے مشورہ دیا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مشورے کے بعد فرماتے اے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیئے؟ جب یکے بعد دیگرے پانچ سات مہاجرین کھڑے ہوئے اور ہر ایک کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے چلے گئے کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو مشورہ تو مل رہا ہے۔ یکے بعد دیگرے مہاجرین کھڑے ہو کر اپنے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں مگر آپ بار بار فرماتے ہیں کہ اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ شاید آپؐ کی مُراد ہم انصار سے ہے کہ اے انصار تم مجھے مشورہ دو کہ اس موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک سمجھے ہو۔ میرا یہی منشاء ہے۔ اِس پر اُس نے کہا یا رسول اللہ! غالباً آپ کا اشارہ اُس معاہدہ کی طرف ہے جو ہم نے آپ سے اُس وقت کیا تھا جب ہمارا وفد مکہ میں آپ سے ملا۔ اور ہم نے اس شرط پر آپؐ کی بیعت کی تھی کہ

اگر مدینہ پر دشمن نے حملہ کیا تو ہم اپنی جان اور اپنا مال قربان کر کے آپ ؐ کی اور آپ کے ساتھیوں کی حفاظت کریں گے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ اگر مدینہ سے باہر لڑائی ہوگی تو ہم اِس معاہدہ کے پابند نہیں ہونگے بلکہ آزاد ہونگے۔ خواہ شامل ہوں یا نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اُس نے کہا یارسول اللہ! جب ہم نے وہ معاہدہ کیا تھا اُس وقت ایمان ابھی ہمارے دل میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ہمارے دماغوں نے بے شک سمجھا تھا کہ یہ شخص سچا ہے۔ لیکن ہم نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ نبی کا رُتبہ کیا ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ کس قسم کی محبت کا تعلق ہونا چاہیئے۔ اِس لئے ہم نے ایسی ایسی شرطیں کی تھیں۔ مگر یارسول اللہ! اِس کے بعد ہمیں پتہ لگ گیا کہ نبی کا کیا رُتبہ ہوتا ہے اور ہمارا عقلی تعلق محبت کے تعلق سے بدل گیا۔ اس لئے اب شرطوں کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یارسول اللہ! سامنے سمندر ہے۔ آپ ہمیں حکم دیجیے تو ہم اُس میں بلا دریغ کُود جائیں گے 3 اور اگر دشمن سے مقابلہ ہوا تو یارسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ 4

یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ عقل اور جذبات کا کیا تعلق ہے۔ انصار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اُس وقت اُن کا آپ سے صرف عقلی تعلق تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم تھوڑے ہیں اور مدینہ بھی ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ اگر دشمن نے کسی وقت مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو چونکہ ایک چھوٹی جگہ میں مقابلہ ہوگا ہم دشمن سے لڑیں گے اور مریں گے۔ لیکن باہر ہم دشمن کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ اُس وقت عقل یہی کہتی تھی۔ مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے مان لیا اور آپ کی شان کو انہوں نے پہچان لیا تو عقل کا دَور ختم ہو گیا۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ جب یہ سچا ہے تو اب عقل کا کام ختم ہے۔ اب عمل کا زمانہ شروع ہوتا ہے اور عمل ہمیشہ جذبات سے ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی عمل جذبات کے بغیر نہیں ہوتا۔ عملِ کامل ہمیشہ جذبات سے وابستہ ہوتا ہے۔ اور انسانِ کامل وہی ہوتا ہے جو ایک حد تک عقل سے کام لینے کے بعد اُسے کہتا ہے کہ اے عقل! تیرا شکریہ اب تُو میرا پیچھا چھوڑ، جذبات سے کام لینے کا وقت آ گیا ہے۔ اور جب جذبات سے کام لینے کا وقت آ جائے تو اُس وقت یہ نہیں سوچا جاتا کہ فائدہ کیا ہے اور نقصان کیا ہے، اچھا کیا ہے اور بُرا کیا ہے، مفید کیا ہے اور مُضر کیا ہے، مرنا کیا ہے اور جینا کیا ہے۔ کیونکہ جذبات کے

میدان میں ان چیزوں کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ تو دیکھو انصار نے کیسے معقول طور پر اس نکتہ کو بیان کیا ہے کہ جب تک ایمان کامل نہیں تھا ہمارا تعلق محض عقلی تھا۔ لیکن اس کے بعد ہمارا عقلی تعلق نہیں رہا۔ عقل سے کام لیا جائے تو انسان یہی کہتا ہے کہ مَیں کیوں مروں؟ یا کس حد تک قربانی کروں؟ مگر جذبات یہ نہیں کہتے۔ بچہ بیمار ہوتا ہے، اُسے ٹائیفائیڈ ہوتا ہے چالیس چالیس دن تک اُس کا بخار چلتا جاتا ہے۔ تو ماں راتوں کو جاگتی ہے، اس کی خبر گیری کرتی ہے، اور ہر وقت بچہ کی نگہداشت اور اس کی تیمارداری میں مصروف رہتی ہے۔ اُس وقت اگر کوئی شخص اُسے یہ کہے کہ تُو اتنی مشقّت کیوں برداشت کرتی ہے؟ تُو کچھ دیر کے لئے رات کو آرام بھی کیا کر۔ تو وہ یہ نہیں کہے گی کہ جَـزَاکَ اللّٰہُ۔ تُو میرا بڑا ہمدرد ہے۔ بلکہ وہ اُسے گالیاں دے گی اور کہے گی تُو کہاں سے میرا خیر خواہ نکل آیا۔ اسی طرح اصل مقام ایمان کا جذباتی ایمان ہوتا ہے۔ جب تک عقل سے کوئی چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آتی اُس وقت تک تم اُسے کبھی قبول نہ کرو۔ لیکن جب عقل سے کوئی بات تمہاری سمجھ میں آ جاتی ہے اور اُس کے درست ہونے کے تمام دلائل تم پر واضح ہو جاتے ہیں۔ تو اُس کے بعد ایک ہی ذریعہ تمہاری کامیابی کا رہ جاتا ہے کہ تم عقل کو تہہ کر کے رکھ دو اور جذبات کی رَو میں بہہ جاؤ۔ صرف جذبات ہی جذبات تمہارے اندر کام کر رہے ہوں۔ جب تک تم جذبات کی کشتی میں نہیں بیٹھتے اُس وقت تک تم حوادث اور طوفان سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تمام انبیاء کی امتوں نے ایسا ہی کیا اور تمہیں بھی ایسا ہی کرنا ہوگا۔ اگر احمدیت تم نے عقل سے قبول نہیں کی تو تم نئے سرے سے دلائل پر غور کرو اور نئے سرے سے سوچو کہ مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے یا نہیں؟ اور اگر تم پہلے سوچ چکے ہو یا دوبارہ سوچ کر نتیجہ نکالتے ہو کہ احمدیت سچی ہے۔ اگر تم کوئی بھی نفع دنیا میں حاصل کرنا چاہتے ہو اگر تم کوئی بھی مفید کام دنیا میں کرنا چاہتے ہو، تو تم عقل کو تہہ کر کے رکھ دو اور اُسے کہو کہ تم نے جس حد تک قربانی کرنی تھی کر دی۔ اب تمہارا کام نہیں اب جذبات سے کام لینے کا وقت آ گیا ہے۔ اب موت اور حیات اور نفع اور نقصان کا میرے لئے کوئی سوال نہیں۔ جب تک مَیں نے حقیقت کو نہیں سمجھا تھا مجھے نفع اور نقصان کا احساس تھا۔ لیکن جب مَیں نے حقیقت کو سمجھ لیا تو ہر نیک انجام یا ہر بد انجام میرے لئے ایک بے حقیقت شے ہے۔ میرا راستہ میرے سامنے ہے اور اس سے ہٹنا یا اِدھر اُدھر

ہونا میرا کام نہیں ۔ یہی اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے پہلے انبیاء کی جماعتیں کامیاب ہوئیں اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے تم دنیا میں کامیاب ہوسکتے ہو۔'' (الفضل 27 جنوری 1948ء)

1: ڈی ڈی: (DOCT. OF DIVINITY) الوہیت مسیح کے بارہ میں عیسائی مذہبی علم کا ماہر۔

2: ایل ایل ڈی: ڈاکٹر آف لاء (DOCT. OF LAW)

3: سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 266، 267 مطبوعہ مصر 1936ء

4: بخاری کتاب المغازی باب قِصَّة غَزْوَةِ بَدْرٍ۔